Globethics Repository



Islam ka Tasawwur milkiyyat (Islamic concept of ownership) PART 3

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-11-11 04:43:53
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/188557

باب سوُم

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○

(البقرۃ،۲:۳)

اِنفاق فی المال

www.MinhajBooks.com

معنی اور حقیقتِ موضوع

عربی زبان کے لفظ ''انفاق'' کا لغوی معنی ''مال خرچ کرنا'' ہے۔ اصطلاحی معنی میں اسے ''انفاق فی سبیل اللہ'' اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کہا جاتا ہے۔ اسلام نے مال خرچ کرنے کے ضمن میں واضح ہدایات دی ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے ''انفاق فی المال'' درحقیقت اپنے سرمایہ و دولت کو دوسروں پر اس طرح خرچ کرنا ہے کہ ان کا معاشی تعطل ختم ہو جائے، ان کی تخلیقی جدوجہد بحال ہو جائے اور وہ معاشرہ میں مطلوبہ کردار بحسن وخوبی سر انجام دے سکیں۔ چونکہ انفاق فی المال فعلِ احسان کی عملی شکل اور اساس ہے اس لئے یہ اپنی خیر خواہی، احتیاجات، عیش کوشی، ناموری یا تحسینات پر خرچ کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ خرچ دوسروں کی زندگیوں سے معاشی بدحالی دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال ''مواخاتِ مدینہ'' ہے جو دینی و دنیاوی بھلائی، ترقی و خوشحالی، رواداری، معاشرتی و معاشی ترقی کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ فعلِ احسان کا عملی اظہار بھی ہے۔

قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا حکم

ہر انسان اپنے مقصدِ حیات میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے اسلام نے جہاں بے شمار ہدایات دی ہیں وہاں ''انفاق فی المال'' کا راستہ بھی دکھایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے غرباء و مساکین، نادار، محتاج، معذور، ضرورت مند اور معاشی بدحالی کا شکار افراد پر خرچ کیا جائے چنانچہ زکوٰۃ اور دیگر واجبہ صدقات ادا کرنے کے بعد بھی معاشرے کے اصحابِ ثروت پر معیشت کے کمزور لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں جہاں پیدائشِ دولت (Production of wealth) یعنی اکتسابِ مال کی ترغیب دلائی

ہے وہاں تقسیمِ دولت (Distribution of wealth) کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا صراحت کے ساتھ حکم موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ. (۱)

''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔''

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ. (۲)

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔''

۳۔ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○ (۳)

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے○''

۴۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○ (۴)

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۳) البقرة، ۲: ۱۹۵

(۴) آل عمران، ۳: ۹۲

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo‘‘

۵۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ.(۱)

’’اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال خرچ کرے۔‘‘

۶۔ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۲)

’’اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo‘‘

انفاق فی المال کی اہمیت سمجھنے اور اس عملِ صالح کو اپنانے والوں کے شرف و منزلت اور ان کے لئے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

۷۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ.(۳)

’’جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷
(۲) التوبة، ۹: ۹۹
(۳) البقرة، ۲: ۲۶۱

کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے۔‘‘

۸۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ.(۱)

’’کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے۔‘‘

۹۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ○(۲)

’’جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے○‘‘

۱۰۔ الٓمّٓ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ج فِیْہِ ج ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ○ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ○(۳)

’’الٓمّٓ○ (یہ) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، (یہ) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے○ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں○‘‘

---

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۴

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۷۴

(۳) البقرۃ، ۲: ۱۔۳

۱۱۔ اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِيْمٌ ○(۱)

’’(یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں○ (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں (بڑے) درجات ہیں اور مغفرت اور بلند درجہ رزق ہے○‘‘

۱۲۔ اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِی الصَّلٰوةِ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○(۲)

’’(یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو مصیبتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں○‘‘

۱۳۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○(۳)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○‘‘

۱۴۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ج وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّکُمْ ط وَيُکَفِّرُ عَنْکُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِکُمْ. (۴)

(۱) الانفال، ۸: ۳، ۴

(۲) الحج، ۲۲: ۳۵

(۳) الدهر، ۷۶: ۸

(۴) البقرة، ۲: ۲۷۱

’’اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے (اس سے دوسروں کو ترغیب ہو گی) اور اگر تم انہیں مخفی رکھو اور وہ محتاجوں کو پہنچا دو تو یہ تمہارے لئے (اور) بہتر ہے اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمہارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا۔‘‘

انفاق فی المال کی ترغیب دلاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال رسول الله ﷺ: إن الله قال لي: أنفق أنفق عليك وقال رسول الله ﷺ: يمين الله ملآى لا يغيضها سحاء الليل والنهار. أ رأيتم ما أنفق مذ خلق السماء والأرض فإنه لم يغض ما في يمينه.(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کر تجھ پر (بھی) خرچ کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور دن رات کی فیاضی سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے کتنی فیاضی کی ہے لیکن اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔‘‘

۲۔ من أنفق زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة: يا عبد الله! هذا خير.(۲)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الحث على النفقة وتبشير المنفق بالخلف، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۳

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب التفسير، باب قوله وكان عرشه على الماء، ۴: ۱۷۲۴، رقم: ۴۴۰۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصوم، باب الريان للصائمين، ۲: ۶۷۱، رقم: ۱۷۹۸

’’جس نے اللہ کے راستے میں دو مرتبہ خرچ کیا، اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ اچھا ہے۔‘‘

۳۔ لا حسد إلا على اثنتين رجل آتاه الله الكتاب وقام به آناء الليل ورجل أعطاه الله مالًا فهو يتصدق به آناء الليل والنهار.(۱)

’’دو آدمیوں کے سوا اور کسی پر حسد کرنا جائز نہیں ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم دیا اور وہ اس کے ساتھ راتوں کو قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں سے رات دن راہِ خدا میں خرچ کرتا رہتا ہے۔‘‘

۴۔ أفضل دينار ينفقه الرجل، دينار ينفقه على عياله ودينار ينفقه الرجل على دابته في سبيل الله ودينار ينفقه على أصحابه في سبيل الله.(۲)

’’افضل دینار جو آدمی خرچ کرتا ہے وہ ہے جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جس کو اللہ کے راستے میں اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو اپنے ساتھیوں پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔‘‘

..... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب من جمع الصدقة وأعمال البر، ۲: ۷۱۱، رقم: ۱۰۲۷

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، ۴: ۱۹۱۹، رقم: ۴۷۳۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۳۳، رقم: ۶۱۶۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك وإثم من ضيعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۴

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الجهاد، باب فضل النفقة في سبيل الله تعالى، ۲: ۹۲۲، رقم: ۲۷۶۰

۳۔ بخاري، الأدب المفرد: ۲۶۲، رقم: ۷۴۸

۵۔ كفى بالمرء إثمًا أن يحبس عمن يملك قوته.(۱)

’’کسی آدمی کے گناہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے اس کا خرچ روک لے۔‘‘

۶۔ على كل مسلم صدقة. فقالوا: يا نبي الله! فمن لم يجد قال: يعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق.(۲)

’’ہر مسلمان کے لئے صدقہ کرنا لازمی ہے۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کر کے خود کو بھی نفع پہنچانا چاہیے اور صدقہ بھی کرنا چاہیے۔‘‘

۷۔ لا توعي فيوعي الله على ارضخي ما استطعت.(۳)

’’تو (اپنا مال) مٹکے میں بندھ کر کے نہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لگا بندھا دینے لگے اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں میں (مال) تقسیم کرو۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك وإثم من ضيعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ۲: ۶۹۲، رقم: ۹۹۶
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۵۲، رقم: ۴۲۴۱
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب على كل مسلم صدقة فمن لم يجد فليعمل بالمعروف، ۲: ۵۲۴، رقم: ۱۳۷۶
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ۲: ۶۹۹، رقم: ۱۰۰۸
۳۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب صدقة العبد، ۵: ۶۴، رقم: ۲۵۳۸

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الصدقة فيما استطاع، ۲: ۵۲۰، رقم: ۱۳۶۷
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۳۹، رقم: ۲۵۱۲۵

۸۔ إن رسول الله ﷺ قال وهو على المنبر وذكر الصدقة والتعفف والمسألة: اليد العليا خير من اليد السفلى فاليد العليا هي المنفقة والسفلى هي السائلة.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور صدقہ، ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا جبکہ نچلا ہاتھ مانگنے والا ہے۔‘‘

۹۔ ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان فيقول أحدهما اللّٰهم أعط منفقًا خلفًا ويقول الآخر: اللّٰهم أعط ممسكًا تلفًا.(۲)

’’کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نہ اترتے ہوں۔ ایک فرشتہ تو یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ دیجئے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! ممسک اور بخیل کو نقصان سے دوچار کیجئے۔‘‘

۱۰۔ سبعة يظلهم الله تعالى في ظله يوم لا ظل إلا ظله إمام عدل، وشاب نشأ في عبادة الله، ورجل قلبه معلق في المساجد، ورجلان تحابا

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ۲: ۵۱۹، رقم: ۱۳۶۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى، ۲: ۵۲۲، رقم: ۱۳۷۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب في المنفق والممسك، ۲: ۷۰۰، رقم: ۱۰۱۰

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۳۷۵، رقم: ۹۱۷۸

في الله، اجتمعا عليه وتفرقا عليه، ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال. فقال: إني أخاف الله، ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه، ورجل ذكر الله خاليًا ففاضت عيناه.(۱)

’’سات طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (۱) انصاف پرور حاکم، (۲) وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھلا پھولا، (۳) وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے، (۴) دو ایسے شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھتے ہیں اور ان کے اجتماع اور جدائی کی بنیاد بھی یہی ہو، (۵) ایک ایسا شخص جسے خوبصورت اور باوجاہت عورت نے (برے ارادے سے) بلایا لیکن اس کا جواب یہ تھا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، (۶) وہ انسان جو صدقہ کرتا ہے اور اسے اس درجہ چھپاتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، (۷) اور وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھیں بھر آتی ہیں۔‘‘

۱۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا عائشة! لا تردي المسكين ولو بشق تمرة يا عائشة! أحبي المساكين وقربيهم فإن الله يقربك يوم القيامة.(۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الصدقة باليمين، ۲: ۵۱۷، رقم: ۱۳۵۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، ۲: ۷۱۵، رقم: ۱۰۳۱

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء في الحب في الله، ۴: ۵۹۸، رقم: ۲۳۹۱

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين ـــــ

’’اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔‘‘

حکمِ انفاق کی دو سطحیں

انفاقِ فی المال کا عمل دو سطحوں پر ہوسکتا ہے۔ انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر۔

انفرادی سطح سے مراد یہ ہے کہ افراد اپنے طور پر اپنے احباب و متعلقین اور حلقۂ اثر میں ’’انفاق‘‘ کو بطور دائمی عمل جاری کریں۔ جو شخص معاشی ابتلاء کا شکار ہو، ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو یا اس کی زندگی ایسے تعطل کی نذر ہو گئی ہو کہ اس کی تخلیقی جدوجہد بحال نہ رہی ہو، ایسے ضرورت مند افراد کی مالی اعانت اس انداز سے کرنا کہ ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو، ان کی ضروریات بھی پوری ہوں اور وہ ہر وقت دوسروں کی اعانت کے منتظر نہ رہیں۔ بلکہ ان کی زندگی سے معاشی تعطل ختم کر کے ان کا اپنا تخلیقی عمل بحال کر دیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں صحیح مقام اور مطلوبہ کردار سرانجام دینے کی پوزیشن میں ہوسکیں۔ اس سلسلے میں اپنے اعزہ و اقارب اور پڑوسیوں کے علاوہ سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خدمتِ اسلام میں اس طرح وقف کر دیا ہو کہ ان کے پاس روزگارِ حیات کی خاطر فرصت ہی باقی نہ رہی ہو۔ ان سے مراد وہ مجاہدینِ اسلام ہیں جن کی زندگیاں اسلام کی علمی و فکری اور عملی و انقلابی خدمت میں محصور ہو چکی ہیں۔ یہی لوگ راہِ حق کے اسیر ہیں۔ اگر یہ لوگ معاشی تعطل کا شکار ہو گئے تو دینِ حق اور ملتِ اسلامیہ کے احیاء کی خاطر ہونے والی انقلابی کاوشیں معطل ہو جائیں گی۔ اِس امر کا حکم

..... يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵

قرآن مجید میں اِس طرح آیا ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ○ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○[1]

’’ان کو ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو سو وہ تمہارے اپنے فائدے میں ہے اور اللہ کی رضاجوئی کے سوا تمہارا خرچ کرنا مناسب ہی نہیں ہے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو گے (اس کا اجر) تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اورتم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا○ (خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں (کسبِ معاش سے) روک دیئے گئے ہیں وہ (امورِ دین میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے ان کے (زُھداً) طمع سے باز رہنے کے باعث نادان (جو ان کے حال سے بے خبر ہے) انہیں مالدار سمجھے ہوئے ہے، تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے بالکل سوال ہی نہیں کرتے کہ کہیں (مخلوق کے سامنے) گڑگڑانا نہ پڑے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو تو بیشک اللہ اسے خوب جانتا ہے○ جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۲۔ ۲۷۴

پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے○''

مذکورہ بالا تین آیات سے قبل بھی اِنفاق ہی کا حکم اور اس کے مسائل کا بیان چلا آ رہا ہے اور یہ تینوں آیات بھی اُسی حکم سے متعلق ہیں۔ لیکن غور فرمائیں کہ ان تین آیات میں بھی صراحت کے ساتھ پانچ مرتبہ اِنفاق کا حکم وارد ہوا ہے۔ اس سے اس کی اہمیت و افادیت از خود اُجاگر ہو جاتی ہے۔ لیکن حکمِ انفاق کے حوالے سے جو نمایاں اشارات ان آیات سے ماخوذ ہیں، وہ قابلِ غور ہیں۔ اُنہیں یہاں اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:

۱۔ رہنمائی کے باوجود منزلِ مقصود ہر ایک کو نہیں ملتی۔ (ہدایت کا آخری مرحلہ منزلِ مقصود کو پالینا ہے)۔

۲۔ منزلِ مقصود اور نصب العین کے حصول میں کامیابی اللہ تعالیٰ صرف اُنہی لوگوں کو عطا کرتا ہے جو انفاق فی المال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

۳۔ انفاق کا فائدہ صاحبِ انفاق کو بھی پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُسے اپنی منزل نصیب ہو جاتی ہے، جس کے لئے دوسرے عمر بھر ترستے رہتے ہیں۔

۴۔ انفاق کا عمل صرف رضائے اِلٰہی کے حصول کو نصب العین بنانے کی خاطر ہونا چاہیے۔ دیگر ممنوع اور مذموم مقاصد کے لئے نہیں۔

۵۔ عملِ انفاق اپنے اندر نتیجہ خیزی کی ضمانت رکھتا ہے۔ اس کا مطلوبہ صلہ میسر آ کر ہی رہتا ہے۔ صاحبِ انفاق کو نتائج و ثمرات کے لحاظ سے کبھی بھی مایوسی نہیں ہو سکتی۔

۶۔ انفاق کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو دینِ حق کی راہ میں خود کو وقف و محصور کر چکے ہیں۔

۷۔ ہمہ وقت راہِ حق میں اس طرح کوشاں رہنا کہ کاروبارِ حیات کی فرصت بھی باقی

نہ رہے، اصحابِ صفّہ کی استثنائی سنت ہے اور شرعاً ممنوع نہیں۔

۸۔ اہلِ حق کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کریں۔ ان کی شخصیت بے نیازی اور استغناءِ نفس کی پیکر اتم ہونی چاہیے۔

۹۔ اہلِ ثروت کو مجاہدینِ حق کی مالی ضروریات کی کفالت اس انداز سے کرنی چاہیے کہ ان کی زندگی میں معاشی تعطل بھی پیدا نہ ہونے پائے اور ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو۔

۱۰۔ ذاتِ حق ہر حال میں کئے گئے اِنفاق سے باخبر ہوتی ہے اور اس پر اجر عطا کرتی ہے۔

۱۱۔ اہلِ انفاق دُنیا و آخرت میں ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے نصب العین کو پا لیں گے۔

یہ عملِ انفاق کی انفرادی صورت تھی کہ مالدار افراد مستحق افراد کی کفالت کے لئے ذاتی سطح پر انفاق کریں۔ اس طرح ہر صاحبِ مال پر اس کی انفرادی حیثیت میں ''اِنفاق'' لازم ہے اور یہی ''فعلِ احسان'' ہے جس کے ذریعے وہ بارگہِ ایزدی میں نعمتِ رضا کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اجتماعی سطح سے مراد یہ ہے کہ اجتماعی طور پر عملِ انفاق کو ایک ایسے نظام کے طور پر رائج کیا جائے کہ معاشرے کا کوئی فرد حاجتمندی میں مبتلا نہ رہے اور معاشرہ معاشی استحکام سے ہمکنار ہو کر قومی نصب العین کے حصول کے لئے اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کر سکے۔ معاشرے کے حاجتمند افراد کی حاجتمندی کو دور کرنے کا اسلامی معاشی نظام میں بہترین حل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو صاحبِ ثروت لوگوں سے ان کا وہ حق دلایا جائے جو شریعت نے ان کے لئے مختص کیا ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (۱)

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے ○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا ○‘‘

۲۔ وَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (۱)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا ○‘‘

اجتماعی سطح پر انفاق کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حاکمِ وقت امراء سے یا بیت المال سے مال لے کر فقراء میں تقسیم کرا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غرباء و مساکین کے حصے مقرر کئے ہوتے تھے جو وہ بیت المال سے ادا کرتے تھے۔ ابوعبید بن سلام (م۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

فكان عمر يعطي كل إنسان منهم كل سنة ثلاثة آلاف. (۲)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال (غرباء) میں سے ہر ایک کو تین ہزار (کی مقرر کردہ) رقم دیتے تھے۔‘‘

یہ اجتماعی سطح پر انفاق کی بہترین مثال ہے کسی بھی ملک کو معاشی لحاظ سے اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لئے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر انفاق کے عمل کو جاری رکھنا ہوگا۔

اِنفاقِ واجبہ اور اِنفاقِ نافلہ میں اِمتیاز

فقہی اصطلاح کے مطابق وجوب اور عدم وجوب کے لحاظ سے اِنفاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) الذاريات، ۵۱: ۱۹

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۱۰، رقم: ۶۰۹

(۱) اِنفاقِ واجبہ

اِس میں زکوٰۃ، عُشر، صدقۂ فطر اور دیگر ایسے صدقات شامل ہیں جن کا ادا کرنا صاحبِ نصاب پر بہر حال فرض یا واجب ہوتا ہے۔

(۲) اِنفاقِ نافلہ

اِس میں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ اِنفاق کی تمام صورتیں شامل ہیں لیکن ان میں سے کئی صورتوں کو مصلحتاً، ضرورتاً یا استحساناً واجب بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ فعلِ احسان کا اطلاق ''انفاقِ واجبہ'' پر نہیں بلکہ ''انفاقِ نافلہ'' پر ہوگا۔ ''انفاقِ واجبہ'' کی تمام صورتیں قرآن کے ''حکمِ عدل'' کے تحت شمار کی جائیں گی کیونکہ عدل کا مفہوم یہی ہے کہ جس قدر دینا لازم ہو اُسی قدر دیا جائے اور شرعاً واجب حصے کے علاوہ دینا ''احسان'' ہے۔ لہٰذا ہماری بحث ''انفاقِ نافلہ'' کے حکم سے ہے، اِنفاقِ واجبہ سے نہیں۔

نصابِ انفاق اور حدِ انفاق کا مسئلہ

یہاں اِس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ''نصابِ اِنفاق'' اور ''حدِ اِنفاق'' کا مسئلہ صرف ''انفاقِ واجبہ'' سے متعلق ہے مثلاً مقررہ نصاب سے کم جائیداد رکھنے والے پر ''زکوٰۃ'' فرض نہیں ہوتی اور دیگر صدقاتِ واجبہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ حدِ انفاق بھی صدقاتِ واجبہ کے لئے مقرر ہے مثلاً زکوٰۃ میں اڑھائی فیصد، ''عشر'' میں دس یا بیس فیصد وغیرہ۔ جہاں تک اِنفاقِ نافلہ کا تعلق ہے اِس کا اُصول نصاب اور حد کے تعینات سے ماوراء ہے۔ اِس کے لئے نہ کم سے کم نصاب متعین ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ حد، کیونکہ یہ ''اِنفاق'' احسان ہے اور ''انفاقِ واجبہ'' عدل۔ ''عدل'' معینہ اور مقررہ حد کے مطابق دینے کا نام ہے جبکہ ''احسان'' ایسا فعل ہے جو حدود و قیود سے بلند و بالا ہوتا ہے، احسان میں چونکہ محسن کے پیشِ نظر اپنی ذات اور مادی منفعت نہیں ہوتی، اس لئے اس میں کوئی

’’نصاب‘‘ نہیں ہوتا۔ مزید برآں احسان میں چونکہ دوسرے شخص کے استحقاق کا قانونی تعین نہیں ہوتا، اس لئے اس پر کوئی حد نہیں ہوتی۔ یہ انفاق، جو فعلِ احسان کی عملی صورت ہے، رضائے اِلٰہی کے نصب العین کی خاطر ہر ایک پر لازم ہے، خواہ غریب ہو یا امیر، صاحبِ نصاب ہو یا غیر صاحبِ نصاب، تھوڑا دے سکے یا زیادہ، جو کچھ بھی اُسے میسر ہو۔ اُسی میں حسبِ استطاعت اِنفاق کرنا ’’احسان‘‘ ہے۔ اس پر یہ شرط نہیں ہے کہ کتنے میں سے دے؟ یہ بات دینے والے کے اپنے ظرف، غنائے نفس اور اُس کے ذاتی حالات پر منحصر ہے۔

اِنفاق اصلاً نصاب سے ماوراء ہے

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○(۱)

’’اور جو کچھ ہم نے اُنہیں عطا کیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں○‘‘

یہاں ’’ما‘‘ کلمۂ عام ہے جو نصاب کی شرط سے پاک ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ بھی خزانۂ قدرت سے نصیب ہوا ہو اُسی میں سے راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔

۲۔ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ.(۲)

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔‘‘

---

(۱) البقرة، ۲:۳

(۲) البقرة، ۲:۲۵۴

۳۔ یہی حکم ایک اور مقام پر بھی دیا گیا ہے:

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ○(۱)

’’اور تم اس (مال) میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اِس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کی مہلت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا○‘‘

اِس آیت میں ایک تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اِنفاق کے لئے ڈھیروں مال کا ہونا ضروری نہیں جو کچھ بھی میسر ہو اُسی میں سے خرچ کیا جانا چاہیے۔ اسی کا نام ’’احسان‘‘ ہے۔ دوسری یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خدا کے مقربین و صالحین میں شامل ہونے کی بھی یہی صورت ہے کہ اِنفاق فی المال کے عمل کو اپنایا جائے۔

۴۔ ایک اور مقام پر مذکور ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ. (۲)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔‘‘

مذکورہ بالا آیات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ فعلِ احسان کے طور پر کئے جانے والے اِنفاق میں کوئی نصاب شرط نہیں ہے۔ جتنا کچھ پاس ہو اُسی میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا جائے۔

(۱) المنافقون، ۶۳: ۱۰

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۷

انفاق اصلاً تحدید سے ماوراء ہے

انفاق میں جس طرح نصاب کی شرط نہیں تھی، اُسی طرح اُس کی کوئی حد و انتہا بھی متعین نہیں ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

وَيَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط کَذٰلِکَ يُبَيِّنُ اللهُ لَکُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ○(۱)

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)، اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو○‘‘

اِس آیت کے ذریعے حدِ اِنفاق کے مسئلے کو بھی حل کر دیا گیا کہ اِنفاق کی کوئی آخری حد نہیں ہے، جو کچھ تمہاری ضرورتوں سے زائد ہو وہ دوسروں پر خرچ کر دو تاکہ اس سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ اِس آیت نے یہ فلسفۂ حیات بیان کیا کہ یہ ہرگز جائز نہیں کہ جس معاشرے میں کئی لوگ ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں یا غربت و افلاس کے باعث باعزت زندگی سے محروم کر دیئے گئے ہوں، اُسی معاشرے کے کچھ لوگ اپنی ضروریات سے بچی ہوئی دولت اپنی تحسینات و تزئینات اور تعیّشات پر خرچ کرنے لگیں اور بالآخر غربت و امارت کی بناء پر ایک ہی معاشرے میں طبقاتی تقسیم کی بنیاد فراہم ہو جائے۔ اِسی لئے فرمایا گیا:

لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ○

’’اس حکم میں تمہارے لئے غور و فکر کا بہت سارا سامان موجود ہے○‘‘

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۹

آیت کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ایسے احکام کو محض ''نفلی'' اور ''مستحب'' اعمال سمجھ کر نظر انداز نہ کئے رکھو بلکہ اِس میں غور و فکر کرو اور ان کی بنیاد پر اپنے معاشرے کی معاشی زندگی کا ڈھانچہ تعمیر کرو۔ گویا آیت کے آخری الفاظ سابقہ حکم یعنی قُلِ الْعَفْوَ کی نسبت دعوتِ فکر و عمل دے رہے ہیں۔

۲۔ اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰکِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (۱)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ○''

یہاں حکمِ انفاق کو اور زیادہ وسعت دے دی گئی ہے۔ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو، مستحق لوگوں کے معاشی تعطل کو رفع کرنے پر خرچ کر دو۔ یہاں یہ شرط بھی مرتفع کر دی گئی کہ ''ضرورت سے بچ رہے تو خرچ کرو'' نہیں نہیں، اگر کوئی غنائے صدیقی کا حامل ہے اور اپنی ضرورت بھی دوسروں پر خرچ کر دینا چاہتا ہے تو اس پر بھی کوئی پابندی نہیں، جو کچھ خرچ کرو گے، نیکی ہو گی اور نیکی کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا۔ بس خدا کی ذات تمہارے اِنفاق سے باخبر ہے۔ یہ حکم ہر ایک کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اُسی کے لئے ہے جو راہِ خدا میں سب کچھ لٹا کر بھی دل میں حزن و ملال محسوس نہیں کرتا اور مالی تنگی وقتی طور پر بھی اُسے پریشان نہیں کر سکتی۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے توکل اور استغناء کا وہ بلند درجہ نصیب ہو چکا ہو کہ دوسروں کا فقر مٹانے کے

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۵

لئے اپنے اُوپر فقر بھی طاری کر لے تو اُس کے پایۂ استقلال اور عزم و ہمت میں کوئی فرق نہ آئے۔ یہ ایمان کا وہ کامل ترین درجہ ہے جس کا مظاہرہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر کیا تھا اور جس کا عملی مشاہدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیتِ نبوی کے گھروں میں ہوتا رہتا تھا۔

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى. (۱)

''بہتر صدقہ وہی ہے جو ضرورت کے مطابق بچا کر کیا جائے یا غنائے نفس کے ساتھ کیا جائے۔''

''عن ظهر غنى'' کے الفاظ میں مذکورہ بالا دونوں صورتوں کو سمو دیا گیا ہے۔

۲۔ ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خير لک وأن تمسکه شر لک ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول. (۲)

''اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے بچا ہوا خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اس کو بھی بچا کر رکھ لے تو یہ تیرے لئے نقصان

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب النفاقات، باب وجوب النفقة علی الآهل والعيال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۱

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلی، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلی، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

دہ ہے۔ ہاں اِس قدر بچا کر رکھنے میں کوئی مضائقہ اور ملامت نہیں جو تیری ضرورت کے لئے کافی ہو اور انفاق کا آغاز ان لوگوں سے کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔‘‘

۳۔ اسی سلسلے میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے، جسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

كنا عند رسول الله ﷺ إذ جاء رجل بمثل بيضة من ذهب، فقال: يا رسول الله! أصبت هذه من معدن، فخذها فهي صدقة ما أملك غيرها، فأعرض عنه رسول الله ﷺ، ثم أتاه من قبل ركنه الأيمن فقال مثل ذلك، فأعرض عنه، ثم أتاه من قبل ركنه الأيسر، فأعرض عنه رسول الله ﷺ، ثم أتاه من خلفه، فأخذها رسول الله ﷺ فحذفه بها، فلو أصابته لأوجعته أو لعقرته، فقال رسول الله ﷺ: يأتي أحدكم بما يملك فيقول هذه صدقة، ثم يقعد يستكف النّاس، خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى. (۱)

’’ایک مرتبہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے یہ سونا ایک کان سے ملا ہے۔ اسے صدقہ کے لئے قبول فرما لیجئے۔ اس کے سوا میرے پاس

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب الرجل يخرج من ماله، ۲: ۱۲۸، رقم: ۱۶۷۳

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۹، رقم: ۱۶۵۹

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۵۷۳، رقم: ۱۵۰۷

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۵۶۶

اور کچھ نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے چہرۂ انور دوسری طرف کر لیا۔ پھر وہ شخص دائیں جانب سے آ کر یہی عرض کرنے لگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر اُس سے صرفِ نظر فرما لی۔ پھر وہ شخص آپ ﷺ کی بائیں جانب سے آیا اور یہی عرض کی۔ آپ ﷺ نے اس سے پھر صرفِ نظر فرما لی پھر وہ شخص آپ ﷺ کی پشت کی طرف سے آیا (یہاں تک کہ) آپ نے اُس سے سونا لے کر اُس کی طرف دے مارا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جو کچھ اُس کے پاس ہو لے کر آجاتا ہے اور کہتا ہے اُسے صدقہ کر دیجئے۔ پھر خود بیٹھ کر لوگوں کے ہاتھ تکتا رہتا ہے (کہ کوئی اُسے دے گا تو اُس کی ضرورت پوری ہو گی) بہتر صدقہ وہی ہے جو حسبِ ضرورت بچا کر کیا جائے۔''

اِس حدیث سے عوام الناس کو یہ ''اُصولِ اِنفاق'' مہیا کر دیا گیا کہ اِنفاق کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ لیکن کم از کم اِس امر کا خیال رہنا چاہیے کہ اتنا کچھ ضرور بچا کر رکھ لیا جائے جس سے صاحبِ اِنفاق کی ذاتی اور عائلی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

اِس اُصولِ انفاق کی بہترین مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر فراہم کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے ''نصف مال'' گھر کے لئے رکھ لیا اور نصف صدقہ کر دیا'' لیکن ایک نمونہ اُسی موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فعلِ اِنفاق نے فراہم کیا کہ آپ نے سب کچھ صدقہ کر دیا اور کہا کہ ''ہمارے لئے خدا اور خدا کا رسول ﷺ کافی ہیں۔'' یہ مقامِ تفویض تھا جو احسان کا بلند ترین درجہ ہے۔ کوئی شخص غنائے قلب کے اس مقام پر فائز ہو تو اُس کے لئے اِنفاق اس حد تک بھی جائز ہے۔ لیکن اہل و عیال کا بھی اس درجے کا متوکل ہونا ضروری ہے تاکہ رضائے اِلٰہی کی خاطر کی گئی قربانی پر کسی کے دل میں رنج و ملال کا شائبہ تک پیدا نہ ہونے پائے۔

مذکورہ بالا حدیث پر غور فرمایئے۔ اس شخص کا صدقہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قبول نہ فرمایا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ سارے کا سارا مال پیش کر رہا تھا۔ اگر صرف

یہی وجہ ہوتی تو آپ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا صدقہ قبول نہ فرماتے۔ اس کا صدقہ قبول نہ فرمانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ سارا مال صدقہ کرنے کی جرأت تو کر رہا تھا لیکن غنائے قلب اور توکل کے اس مقام پر فائز نہ تھا جس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز تھے، کیونکہ وہ مال صدقہ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا: مَا اَمْلِکُ غَیْرَھَا (میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں) اس کے یہ الفاظ اس اَمر پر دلالت کر رہے تھے کہ یہ شخص سارا مال دے کر دل سے مطمئن نہیں۔ وہ ابھی تک مال و دولت سے اس قدر بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوا جو اس حد تک اِنفاق کے لئے ضروری ہے اس لئے تو ساتھ ہی یہ سنا رہا ہے کہ ''میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں۔'' نگاہِ نبوت نے جان لیا کہ ''یہ سب کچھ لٹا کر خوش نہیں رہے گا بلکہ لالچ بھری نگاہوں سے دوسروں کو تکتا رہے گا۔'' اِس لیے اُسے فرمایا:

خذ الذي لک لا حاجة لنا به.(۱)

''اپنا مال واپس لے جا، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔''

انفاق میں غناءِ مال اور غناءِ نفس کا امتیاز

مذکورہ بالا بحث سے یہ امر طے ہوا کہ غناء کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ غناءِ مال

۲۔ غناءِ نفس

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ''خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی (بہترین صدقہ وہ ہے جو غناء کے ساتھ کیا جائے)'' دونوں قسموں پر منطبق ہوتا ہے کیونکہ لوگ جو

(۱) ۱۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۹، رقم: ۱۶۵۹

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب الرجل یخرج من ماله، ۲: ۱۲۸، رقم: ۱۶۷۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۵۶۶

احکامِ شریعت کے مکلّف ہوتے ہیں ان کی بھی دو اقسام ہیں: ’’عوام‘‘ اور ’’خواص‘‘۔

عوام کے لئے ’’عن ظهر غنی‘‘ کا وہی معنی ہے جو اُوپر بیان ہو چکا ہے اور جس کی تصریح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے ہو چکی ہے کہ ’’بہتر صدقہ وہ ہے جس کے پیچھے غناء ہو‘‘ یعنی صدقے کے باوجود پیچھے اس قدر مال موجود ہو جو اس کی ضروریات کے لئے کافی رہے اور اس شخص کو مالی پریشانی سے بے نیاز رکھے۔ یہ حکم غناءِ مال کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور اس کے مکلّف عوام ہے۔

خواص کے لئے ’’عن ظهر غنی‘‘ کا معنی وہ ہے جس کی تصریح عملِ صدیقی سے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے مفہومِ حدیث یہ ہوا کہ ’’بہتر صدقہ وہ ہے جس کے پیچھے غنائے نفس ہو‘‘ یعنی دل اس قدر متوکل اور دولتِ غناء سے بہرہ یاب ہو کہ سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا کر بھی بوجھ محسوس نہ کرے اور یہ گمان تک ذہن میں پیدا نہ ہونے پائے کہ ’’اب ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟‘‘ اس مفہوم کی تائید بھی خود حضور نبی اکرم ﷺ کے اس حکم سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

ليس الغنى عن كثرة العرض ولكن الغنى غنى النفس. (۱)

’’غناء کثرتِ مال سے نہیں بلکہ غناءِ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔‘‘

اِس حکم کے مکلّف خواص ہیں ..... حکم ایک ہی ہے لیکن اس کی تعبیریں اور

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب فلهذا غنى النفس وقال الله تعالى أ يحسبون أن ما نمدهم به من مال وبنين، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ليس فلهذا عن كثرة العرض، ۲: ۷۲۶، رقم: ۱۰۵۱

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فلهذا غنى النفس، ۴: ۵۸۶، رقم: ۲۳۷۳

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۸۹، رقم: ۹۰۵۰

اطلاقات مختلف ہیں۔

عوام کو صرف ضرورت سے زائد خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا وہ "قُلِ الْعَفْوَ" کے مصداق ہیں۔ ان کے لئے غناء سے مراد غناءِ مال ہے اور خواص کو سب کچھ راہِ خدا میں لٹا دینے کی بھی اجازت ہے۔ لہٰذا وہ "مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ" کے مصداق ہیں۔ ان کے لئے غناء سے مراد "غناءِ نفس" ہے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ غناءِ نفس سے بہرور تھے۔ اس لئے ان کا سارا سرمایہ و دولت بطور صدقہ قبول کر لیا گیا۔ دوسرا شخص غناءِ نفس سے بہرہ ور نہ تھا۔ اس کو غناءِ مال کی ضرورت تھی۔ اس لئے اس کا سارا مال بطور صدقہ قبول نہ کیا گیا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر فیصلہ کریں کہ خواص تو درکنار، کیا ہم انفاق کے معاملے میں عوام کے معیارِ ایمان پر بھی پورے اترتے ہیں یا نہیں؟

انفاق فی المال کی مختلف جہات

مذکورۃ الصدر ضروری توضیحات کے بعد اب ہم "انفاق فی المال" کا جائزہ حصولِ نصب العین کے لائحہ عمل کے طور پر لیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ "رضائے الٰہی کے حصول" کا طریق فعلِ احسان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ احسانِ کامل "انفاق فی المال" کے بغیر ممکن نہیں اس سلسلے میں قرآنِ حکیم کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے ○"

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۴

اس آیت میں اصل بیان ''انفاق فی المال'' کرنے والوں کا ہو رہا ہے اور انہی کی دو خصوصیات مزید بیان کی گئی ہیں۔ ایک غصہ پینا، دوسری لوگوں کو معاف کرنا۔ حقیقت میں ان دو صفات کا تعلق بھی ''اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ'' (یعنی انفاق کرنے والوں) سے ہی ہے۔ کیونکہ پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''پرہیزگار لوگ وہ ہیں جو خوشی اور تنگی و رنج ہر حال میں خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں''۔

''اَلضَّرَّاءِ'' کا لفظ صراحت کے ساتھ حالتِ رنج کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایسی حالتیں کئی مرتبہ انسانی زندگی میں آتی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس حالت کو بیان کرنے کے فوراً بعد کہا گیا: ''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ'' یعنی رنج والم اور غم وغصہ کی حالت بھی انہیں ''اِنفاق فی سبیل اللہ'' سے باز نہیں رکھ سکتی اور وہ اس حال میں بھی راہِ خدا میں معمول کے مطابق عملِ انفاق جاری رکھتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ رنج والم کے لمحات میں غصے اور پریشانی سے مغلوب ہو کر احسان و اِنفاق کا وطیرہ ترک نہیں کرتے بلکہ رنج کو گویا پی جاتے ہیں اور اس طرح ان کا شعارِ حیات ہرگز متاثر نہیں ہونے پاتا۔

اِسی طرح دوسری صفت ''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' بیان کی گئی ہے یعنی اگر کچھ لوگ ان سے دُرشتی و تلخی اور غیر مہذّب انداز سے پیش آئیں۔ یہاں تک کہ ان سے زیادتی بھی کر لیں، تب بھی وہ انتقاماً فعلِ انفاق کو ترک نہیں کرتے، بلکہ ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنے کے لئے ان پر اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق احسان اسی طرزِ عمل کا نام ہے جو دوسروں کی طرف سے زیادتی کے باوجود ان سے حسنِ سلوک اور مہربانی کے طور پر قائم رکھا جائے۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ خوشی و مسرت کی حالت ہو یا تنگی وعسرت کی، رنج والم اور غم وغصہ کی حالت ہو یا کسی کی طرف سے ظلم و زیادتی کی، ہر حال میں ''انفاق فی المال'' کے عمل کو جاری رکھنا ''احسان'' ہے اور انہی احسان والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔

یہاں یہ نکتہ بخوبی سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنا بغیر اس سے

راضی ہوئے نہیں ہوسکتا۔ جس کو باری تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیں وہی شخص ''اِنسانِ مرتضیٰ'' کہلاتا ہے۔ اسی کو قرآنی اصطلاح میں ''محسن'' بھی کہتے ہیں اور ''متقی'' بھی، ''صالح'' بھی کہتے ہیں اور ''ولی'' بھی۔ لہٰذا ''اِنفاق فی المال'' حقیقی احسان بھی ہوا اور رضائے اِلٰہی کے حصول کا عملی طریقِ کار بھی۔

(۱) عملِ انفاق تزکیۂ مال کا باعث ہے

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ رضائے اِلٰہی کے نصب العین کا محرک ''تزکیہ'' ہے۔ تزکیہ دو طرح کا ہوتا ہے: تزکیۂ مال اور تزکیۂ نفس۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تزکیہ کی دونوں صورتیں ''انفاق'' پر منحصر ہیں اور دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ آیئے اب ہم ان دونوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

قرآن مجید میں ارشادِ ربّانی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○[1]

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے

(۱) التوبة، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے○''

پہلی آیت نے صراحت کے ساتھ مذکورہ بالا امر کی تائید کر دی کہ راہِ خدا میں اِنفاق (یعنی صدقہ) کے بغیر طہارت و تزکیہ ناممکن ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ''صدقہ'' تو اہلِ ثروت کے مال سے حاصل کیا جا رہا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اِنفاق کا محل مال و دولت ہی ہوسکتی ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ اس صدقہ و اِنفاق سے حاصل ہونے والی ''طہارت و تزکیہ'' کی اضافت بھی ان لوگوں کے مال کی طرف کی جاتی یعنی الفاظ یوں ہوتے:

تطهر أموالهم وتزكى أموالهم.

''(اس صدقہ کے ذریعے) آپ ان کے مال و دولت کو پاک، صاف اور ستھرا کر دیں۔''

یعنی جس مال میں سے صدقہ لے لیا گیا ہے وہ پاک، صاف اور ستھرا ہو گیا۔ اب بھی یقیناً یہ معنی تو موجود ہی ہے جس کی نفی نہیں ہوسکتی، لیکن قرآن مجید کی عبارت یوں ہے:

تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ بِهَا.

''اس صدقہ کے ذریعے آپ ان کو پاک، صاف اور ستھرا کریں۔''

دونوں جگہ ''ھم'' کی ضمیر کا مرجع ظاہراً وہ لوگ ہیں جن کا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اس اسلوبِ بیان سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ ''صدقہ و انفاق، مال و دولت کا تزکیہ وطہارت تو کرتا ہی ہے مزید یہ کہ اس عمل سے اِنفاق اور صدقہ کرنے والوں کے نفوس کو بھی تزکیہ وطہارت نصیب ہو جاتی ہے۔''

گویا عملِ اِنفاق نہ صرف تزکیۂ مال کا بلکہ تزکیۂ نفس کا بھی باعث ہوتا ہے۔

مستزاد یہ کہ تزکیۂ نفس کی تمام دوسری کوششیں جو اِنفاق سے خالی ہوں اور دوسرے لوگوں کے حق میں بخل و اکتناز پر مبنی ہوں۔ کبھی بھی ''تزکیۂ نفس'' کے حصول میں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔

(۲) عملِ اِنفاق تزکیۂ نفس کا باعث ہے

جس طرح ہم نے پہلے واضح کر دیا ہے کہ عملِ انفاق سے حاصل ہونے والا تزکیۂ مال بلاشک وشبہ ''تزکیۂ نفس'' کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عملِ انفاق تزکیۂ نفس کی یقینی صورت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى○ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى○ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى○ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى○ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى○[1]

''اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گا○ جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے○ اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو○ مگر (وہ) صرف اپنے ربِ عظیم کی رضا جوئی کے لئے (مال خرچ کر رہا ہے)○ اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گا○''

مذکورہ بالا آیات سے درج شدہ اُصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ ''اِنفاق فی المال'' تقویٰ کی سب سے بڑی صورت ہے۔

۲۔ یہ دوزخ کے عذاب سے بچاؤ کی ضمانت ہے۔

۳۔ اِنفاق فی المال سے حقیقی تزکیۂ نفس نصیب ہوتا ہے۔

۴۔ عملِ انفاق صرف رضائے اِلٰہی کے حصول کی خاطر ہونا چاہیے۔

(۱) اللیل، ۹۲: ۱۷۔ ۲۱

۵۔ رضائے اِلٰہی کے حصول کی غرض سے اپنایا ہوا عملِ انفاق انسان کو یقیناً مرتضائے اِلٰہی بنا دیتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ عملِ انفاق تزکیۂ نفس کے ذریعے رضائے اِلٰہی کے نصب العین کے حصول کی ضمانت عطا کرتا ہے بلکہ تزکیۂ نفس اور رضائے اِلٰہی کی اصلی اور عملی اساس ہی ''اِنفاق فی المال'' ہے۔

(۳) اِنفاق فی المال ہی بِرّ وتقویٰ کی اساس ہے

کوئی شخص ''انفاق فی المال ہی اصل نیکی اور تقوی ہے'' کے اِس تصور کو انتہا پسندی سے تعبیر کرسکتا ہے لیکن ایسا سوچنا قرآنی تعلیمات کے منافی ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ''انفاق'' کو معیشت کا مسئلہ اور ''نیکی اور تقویٰ'' کو مذہب کا مسئلہ بنا کر انہیں ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں مذہبی فکر کا یہی التباس نوجوان نسل کو معاشی مسئلے کی سنگینی کی بناء پر اشتراکیت کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر رہا ہے اور اگر کسی سمت سے ''معیشت و مذہب'' کی حقیقی وحدت وعینیت کی بناء پر ''استحکامِ معیشت'' کی ضرورت کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے تو مذہبی فکر کے نام نہاد علمبردار اور خود ساختہ اجارہ دار اسے الحاد و اشتراکیت کا نام دے دیتے ہیں۔ جس سے یہ تصور عام ہو جاتا ہے کہ شاید اسلام ''معاشی مسئلہ'' کو اس قدر بنیادی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں اور شاید اِسلام کے نزدیک بنیادی مسئلہ ''اخلاق و مذہب'' کا ہی ہے۔ اس تصور نے تعلیماتِ اِسلام کا چہرہ مسخ کر دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معاشی الجھنوں میں گرفتار ذہن، اِسلام سے وہ قلبی و عملی اور فکری و نظریاتی وابستگی اور وفاداری محسوس نہیں کرتا جو فی الحقیقت اُسے بحیثیت مسلمان ہونی چاہیے تھی۔ اِسلام سے اس فکری بُعد اور نظریاتی لاتعلقی کی ذمہ داری جدید نسل یا عوام پر نہیں بلکہ ان نام نہاد مبلغینِ اِسلام اور عمائدینِ مذہب پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے ذہنی التباس کے باعث اِسلام میں معاشی مسئلے کی صحیح اہمیت اور معیشت و مذہب کے اصل تعلق کو نہیں سمجھا اور اس وجہ سے وہ عصرِ حاضر کے انسان کے پریشان کن مسائل کی صحیح

تشخیص نہیں کر سکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (۱)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

یہاں ’’بِر‘‘ یعنی نیکی اور دینداری کا حصول ’’اِنفاق فی المال‘‘ کے بغیر ناممکن قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا اس سے زیادہ صریح اعلان اور کیا ہوسکتا ہے کہ تمہاری نیکی صرف اور صرف خدا کے راستے میں اِنفاقِ مال پر منحصر ہے۔ گویا عام لفظوں میں ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہی کو ’’بِر‘‘ یعنی نیکی قرار دے دیا گیا۔ اس آیت میں دو افراد کا ذکر ہے:

مُنْفِقٌ: (اِنفاق کرنے والا۔ مالدار) یعنی وہ شخص جو اپنا مال دوسرے پر خرچ کر رہا ہے۔

مُنْفَقٌ علیه: (جس کے حق میں اِنفاق کیا گیا ہو۔ ضرورت مند) یعنی وہ شخص جس پر مال خرچ کیا جا رہا ہے۔

حصولِ بِرّ کے لئے عملِ انفاق

’’منفَق علیه‘‘ یا مستحقِ صدقہ جسے ضرورت مند بھی کہتے ہیں، موجود نہ ہو تو فعلِ اِنفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ کے حوالے سے حصولِ بِرّ کے لئے ’’عملِ اِنفاق‘‘ ضروری ہے۔ عمل صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ’’اِنفاق فی المال‘‘۔ منفِق یعنی مال دار اس کا فاعل ہے اور ’’منفَق علیه‘‘ یعنی ضرورت مند اس کا مفعول لہ ہے۔ اگر آپ فعلِ اِنفاق کے نتائج پر غور فرمائیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ

(۱) آلِ عمران، ۳: ۹۲

جب مالدار اپنی دولت راہِ خدا میں کسی ضرورت مند پر خرچ کرے گا تو اس فعل کا نتیجہ اس مالدار کے حق میں ''نیکی اور دینداری'' کی صورت میں برآمد ہوگا جبکہ اِس ضرورت مند کے حق میں اِسی فعل کا نتیجہ ''استحکامِ معیشت'' کی صورت میں برآمد ہوگا۔ ''نیکی اور دینداری'' مذہب کا دوسرا نام ہے۔ گویا ''عملِ اِنفاق'' سے مالدار کا مذہب وابستہ ہے اور ضرورت مند کی معیشت۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید یہ اعلان کر رہا ہے کہ لوگوں کے مسئلہ ''معیشت'' کو نظر انداز کر کے تم اپنے ''مذہب'' کی سلامتی حاصل نہیں کر سکتے۔ مذہبی فضائل کا حصول لوگوں کو معاشی تعطل سے نجات دلائے بغیر ناممکن ہے۔ یہ تو مذہب و معیشت کے باہمی تعلق اور ان کے استحکام کا فلسفہ تھا لیکن انفرادی طور پر جو اُصول اس آیت نے وضع کیا وہ یہ ہے کہ ''اصل نیکی'' اِنفاق سے ہی ممکن ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی عمل نیکی قرار نہیں پا سکتا۔ حقیقی نیکی خدا کے نزدیک اِنفاق فی المال کے عمل سے ہی میسر آتی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کے الفاظ بھی اِسی حقیقت کی تائید کر رہے ہیں کہ اصل نیکی ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ.(۱)

''بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔''

اس آیت میں جملہ احکام و اعمال کو ''تصورِ نیکی'' میں بطور ضروری اجزاء کے

(۱) البقرۃ، ۲:۱۷۷

شامل کیا گیا ہے لیکن قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید شرطِ ایمان پوری کرنے کے بعد نیکی کے حصول کا سب سے اوّلین تقاضا ''اِنفاق فی المال'' ہی کو قرار دے رہا ہے اور اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ○(۱)

''یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں○''

فرما دیا: ''یہی لوگ صاحبِ صدق ہیں اور یہی لوگ صاحبِ تقویٰ ہیں۔'' گویا برّ، صدق اور تقویٰ تمام تصوّرات کا تقاضائے اوّلین ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ اس کے بغیر انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

یہ امر بڑا غور طلب ہے کہ قرآنِ حکیم میں جس جگہ بھی ''تقویٰ اور ''متقین'' کی تعریف بیان کی گئی ہے اس میں کہیں بھی ''اِنفاق فی المال'' کی صفت کو نظرانداز نہیں کیا گیا بلکہ اس عمل کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ''عین تقویٰ'' یا تقویٰ کا جزوِ لاینفک معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ البقرۃ میں متقین کی تعریف

قرآنِ مجید میں سب سے پہلے ''متقین'' کی اصطلاح اور اس کی تعریف سورۃ البقرۃ کے آغاز میں یوں وارد ہوئی ہے:

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ○ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ○(۲)

''(یہ قرآن) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے○ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا

(۱) البقرۃ، ۲:۱۷۷

(۲) البقرۃ، ۲:۲، ۳

ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں ○''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ''ایمان بالغیب'' اور ''اقامتِ صلوٰۃ'' یہ دو اوصاف تو ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔ اجزائے ایمان اور ارکانِ اِسلام کا اہم حصہ اُنہی پر مبنی ہے۔ ان کے بغیر تو کسی شخص کا ایمان اور اِسلام ہی متحقق نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے یہ دو شرائط تو ہر کسی کے ''صحیح مسلمان'' ہونے کے لئے مقدم ہیں۔ اب رہ گئی بات ان میں سے ''متقین'' کے انتخاب کی تو اس کے لئے صرف ایک شرط اور علامت کا اضافہ کیا گیا۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (کہ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے اِنفاق کرتے ہیں) گویا ''ایمان بالغیب'' سے کوئی شخص دائرہ اِسلام میں داخل ہوا۔ اقامتِ صلوٰۃ سے اس کا مسلمان ہونا بالفعل متحقق ہوا اور ''اِنفاق فی المال'' کے ذریعے حقیقت میں وہ صاحبِ تقویٰ قرار پایا۔

اسی طرح ''سورۃ آل عمران'' میں جنت کے استحقاق کا بیان ہے جس کے الفاظ اِس طرح ہیں:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ.(۱)

''اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ○ یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں۔''

اِس آیت کا مفہوم اور اِس میں بیان ہونے والے دیگر اوصاف کی حقیقت پہلے واضح کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ خدا کے ہاں ''متقین'' کی سب سے پہلی اور ضروری خصوصیت ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ اِس کے بغیر قرآنی اصطلاح کے

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۳، ۱۳۴

مطابق کسی بھی صاحبِ عمل کو ''متقی'' قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں قرآنِ حکیم ''الاتقٰی'' (بہت زیادہ متقی) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ یہ تقویٰ سے اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کی تعریف بھی قرآن مجید ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ○ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ○ (۱)

''اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گا ○ جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے ○''

اِس آیت نے ''تقویٰ'' کا مبالغہ بھی ''اِنفاق'' کے عمل ہی سے متعین کیا اور ساتھ ہی اِس کا نتیجہ اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ○ (۲)

''اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گا ○''

یہی ہمارے موضوع کا ماحصل تھا کہ فعلِ اِنفاق رضائے اِلٰہی کے نصب العین کے حصول کی ضمانت مہیا کرتا ہے یعنی جو شخص ''اِنفاق فی المال'' کے ذریعے زیورِ تقویٰ سے آراستہ ہوگا، وہ نعمتِ رضائے اِلٰہی سے بھی ضرور بہرہ ور ہو کر رہے گا۔

(۴) عملِ اِنفاق اِجابتِ دعا کا باعث ہے

قرآن مجید میں ارشادِ باری ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (۳)

(۱) اللّيل، ۹۲: ۱۷، ۱۸

(۲) اللّيل، ۹۲: ۲۱

(۳) التوبة، ۹: ۱۰۳

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

آیتِ متذکرہ میں ترتیبِ الفاظ پر غور کرنے سے درج ذیل تین امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً.

’’ان کے مال میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے صدقہ حاصل کیجئے۔‘‘

۲۔ تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا.

’’اس طرح ان کے اموال اور ان کے نفوس پاک وصاف ہو جائیں گے۔‘‘

۳۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌo

’’اور اب ان کے لئے دعائے خیر فرمایئے۔ بیشک آپ کی دُعا اُنہیں سکونِ قلب عطا کر دے گی اور اللہ تعالیٰ (دعاؤں کو) سننے والا اور (اعمال کو) جاننے والا ہےo‘‘

سب سے پہلے صدقہ و اِنفاق کا عمل جاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس ’’اِنفاق‘‘ کے ذریعے تمہاری ظاہری و باطنی میل کچیل دُور ہو جائے گی۔ تمہارا قلب و باطن اور نفس، رُوحانی آلودگیوں سے پاک وصاف ہو جائے گا۔ تزکیہ وتجلیہ کا یہ عمل جو محض ’’اِنفاق فی المال‘‘ کا نتیجہ وثمرہ ہے۔ تمہیں ظلماتِ نفسانی سے نجات دلا دے گا۔ گویا خلقِ خدا کی منفعت اور فیض رسانی کو اپنا شعار بنا کر جب تم اپنے لئے بارگاہِ

ایزدی کی طرف متوجہ ہو گے تو تمہاری دُعائیں قبولیت کے ساتھ نوازی جائیں گی اور یہ قبولیتِ دعا کا احساس تمہیں قلبی سکون عطا کرے گا۔ بیشک اللہ تمہاری ان دعاؤں کو بھی سنتا ہے جو تم اپنی منفعت کے لئے مانگتے ہو اور تمہارے اس عمل کو بھی جانتا ہے جو تم دوسروں کی منفعت کی خاطر کرتے ہو (یا نہیں کرتے) گویا خلقِ خدا کے حق میں صدقہ و اِنفاق جتنا کثیر ہو گا اسی قدر اجابتِ دُعا نصیب ہو گی اور اگر اِنسان دوسروں کی منفعت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، دوسروں کے حقوق پامال کرتے ہوئے دوسروں کے حق میں نفع بخشی، فیض رسانی اور دردمندی کا عمل نظر انداز کرتے ہوئے خود کو اپنے ذاتی مفادات اور حقوق و منافع کے تنگ حصار میں محصور کر لے تو دُعائیں شانِ اجابت سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتیں، رائیگاں تو وہ بھی نہیں جاتیں کیونکہ دُعا خود عبادت ہے اِس لئے ان کا اجر کسی نہ کسی طور مل ہی جاتا ہے لیکن دُعا کا مطلوبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔

عام طور پر یہ سننے میں آتا ہے کہ ’ہماری تو دُعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ خدا جانے ہم نے کیا خطا کی ہے کہ ہمیں معافی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ہماری پریشانیاں ہی دُور نہیں ہوتیں‘‘ وغیرہ وغیرہ۔

ہم اپنی دُعاؤں کی عدمِ قبولیت کا شکوہ تو کرتے ہیں لیکن اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دعاؤں کی قبولیت کے لئے ایک عمل بطور شرط مقدم ہے اور ہم نے اس کو اپنی زندگی سے کلیتًا خارج کر دیا ہے۔ شرط پوری نہ ہو تو صلے کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ وہ شرط یہی ہے جس کا ذکر مجملاً اُوپر کیا جا چکا ہے، قرآن مجید آیتِ مذکورہ کے بعد اگلی آیت میں اس شرط کو نئے انداز اور پرزور طریقے سے دوبارہ بیان کر رہا ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ.(۱)

(۱) التوبة، ۹: ۱۰۴، ۱۰۵

’’کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہےo اور فرما دیجئے: تم عمل کرو، سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ (بھی) دیکھ لے گا اور اس کا رسول (بھی) اور اہلِ ایمان (بھی)۔‘‘

مدعائے آیت یہ ہے کہ اے خدا کے بندو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری دُعائیں سنتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں لیکن تمہاری دعاؤں کی قبولیت و اجابت کے لئے ایک شرط مقرر کر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے تمہیں جس مال و دولت سے نوازا ہے وہ ہماری امانت ہے۔ تمہارے ہی معاشرے اور گرد و پیش میں ہمارے کتنے بندے ایسے ہیں جو معاشرتی ناانصافیوں کا شکار ہو کر معاشی تعطل کی نذر ہو گئے ہیں۔ تم اگر ان کی پریشانیوں کی پرواہ نہ کرو، ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنا اپنا فرض نہ سمجھو، اُنہیں ضروریاتِ زندگی بہم پہنچا کر اُن کی تخلیقی جدوجہد بحال کرنے کی سعی نہ کرو اور ان سے دل سوزی و دردمندی کا عملی مظاہرہ نہ کرو تو ہم سے کیسے توقع رکھتے ہو کہ ہم تم پر راضی ہو جائیں گے کیونکہ ان پریشان حال لوگوں کا ہماری ذات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ جو کچھ بھی صدقہ و خیرات تم اُنہیں دینا چاہو وہ ہم براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے وصول کرتے ہیں اور اپنی طرف سے اُنہیں عطا کرتے ہیں تاکہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہونے پائے۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم یا تو ان کی پریشانیوں سے صرفِ نظر کئے رہتے ہو اور اگر کبھی اُن پر ترس کھا کر ان کی مالی اعانت کرتے بھی ہو تو اس قدر رعونت اور فخر و تمکنت کے ساتھ کہ وہ عمر بھر تمہارے احسان مند بنے رہیں۔ اس وقت تمہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ متکبرانہ اور متفخرانہ سلوک تم ان سے نہیں بلکہ اپنے خالق و مالک سے کر رہے ہو کیونکہ تمہارے صدقات وصول کرنے والا ہاتھ اُن لوگوں کا نہیں ’’اللہ کا ہاتھ‘‘ ہوتا ہے۔

غور تو کرو! اپنے رب سے ایسا نازیبا سلوک کرنے کے بعد تم توبہ اور دعا کی

عدم قبولیت کا شکوہ بھی کرتے ہو۔ وہ ذات تو توّاب و رحیم ہے اس لئے تمہیں پھر بھی بخش دیتی ہے۔

ذرا سوچو تو سہی کیا اس طرزِ عمل کے بعد تم کسی قسم کے انعام و اکرام کے مستحق قرار دیئے جا سکتے ہو؟ لہٰذا اجابت و قبولیتِ دُعا کی متعدد صورتوں میں سے سب سے نمایاں صورت یہی ہے کہ انسان خلقِ خدا کے حق میں رحیم و کریم بن جائے۔ پھر اس کے رحم و کرم کے بے کنار نظاروں سے لُطف اندوز ہو سکے گا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من يرحم الناس يرحمه الله. (۱)

''جو بندوں پر رحم کرتا ہے اُسی پر خدا کی طرف سے بھی رحم کیا جاتا ہے۔''

(۵) عملِ اِنفاق تصدیقِ دین ہے اور ترکِ اِنفاق تکذیبِ دین

مذکورہ بالا عنوان اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ''اِنفاق فی المال'' دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تائید و تصدیق ہے اور اس سے انحراف دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تکذیب و تردید ہے۔ اگر یہ حقیقت ہو تو پھر اِس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ فعلِ انفاق ہی حصولِ نصب العین کا واحد ذریعہ ہے اور اس کے بغیر مقصدِ حیات کو پانے کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں۔ سب سے پہلے ہم اس کی شہادت دو ایسی قرآنی آیات سے پیش کرتے ہیں جن میں ''نیکی'' کی تصدیق اور تکذیب دونوں صورتوں کا موازنہ کیا گیا ہے، بلکہ اِس موازنے سے قبل بڑے حکیمانہ انداز سے ہر جنس میں تضاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ (۲)

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۳۱۲، رقم: ۲۳۰۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۱: ۴۸۳، رقم: ۷۷۸

(۲) اللّيل، ۹۲: ۱، ۲

’’رات کی قسم جب وہ چھا جائے (اور ہر چیز کو اپنی تاریکی میں چھپا لے)○
اور دن کی قسم جب وہ چمک اٹھے○‘‘

ان دو آیات میں رات اور دن کا تضاد مذکور ہے اور ان کی الگ الگ علامتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اِسی طرح ’’انسان‘‘ کی جنس کو بھی دو مختلف انواع میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے:

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى○(۱)

’’اور اس ذات کی (قسم) جس نے (ہر چیز میں) نر اور مادہ کو پیدا فرمایا○‘‘

’’رات اور دن‘‘ اور ’’نر اور مادہ‘‘ کی مذکورہ بالا دو مثالیں اور ان کے تضادات کو حلفیہ انداز میں بیان کرنے کے بعد اب ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى○(۲)

’’بیشک تمہاری کوشش مختلف (اور جداگانہ) ہے○‘‘

یعنی کچھ لوگ اپنے عمل اور جدوجہد سے نیکی اور دین کی تصدیق کریں گے جبکہ کچھ لوگوں کی تگ و دو نیکی اور دین کی تکذیب سے عبارت ہو گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کس طرح ہو گا کہ کون نیکی کی تصدیق کر رہا ہے اور کون تکذیب؟

قرآن مجید نے اِس اَمر کا دوٹوک فیصلہ فرما دیا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى○ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى○(۳)

(۱) اللّیل، ۹۲:۳
(۲) اللّیل، ۹۲:۴
(۳) اللیل، ۹۲:۵۔۱۰

’’پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی○ اور اس نے (اِنفاق و تقویٰ کے ذریعے) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کی تصدیق کی○ تو ہم عنقریب اسے آسانی (یعنی رضائے الٰہی) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا○ اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا○ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)○‘‘

ان آیات کی تصریح کے بعد موضوعِ متذکرہ کی تائید میں مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ قرآنِ مجید نے بڑے واشگاف الفاظ میں ’’انفاق‘‘ کو نیکی کی تصدیق اور ’’بخل‘‘ کو نیکی کی تکذیب قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا دینِ حق کی تصدیق و تکذیب کا معیار بھی لامحالہ یہی امتیاز قرار پائے گا۔ یہاں یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں نہ صرف انفاق کو ’’تصدیقِ حسنیٰ‘‘ اور ترکِ انفاق کو ’’تکذیبِ حسنیٰ‘‘ قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو شخص بھی ’’فعلِ انفاق‘‘ اپنائے گا اس کے لئے اس کی منزل اور نصب العین کا حصول نہایت آسان کر دیا جائے گا اور اس کے برعکس جو شخص بھی ترکِ انفاق یعنی بخل اور ارتکازِ دولت کے راستے پر گامزن ہوگا اس کے لئے منزلِ حق کا حصول دُشوار کر دیا جائے گا۔ اس قرآنی فیصلے میں کسی کے لئے کسی قسم کی کوئی استثنیٰ یا رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ یہاں دو لفظ بڑے معنی خیز استعمال ہوئے ہیں:

مَنْ م بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی○ (۱)

’’جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا○‘‘

’’بخل‘‘ سے مراد اپنے سرمایہ و دولت کو خرچ نہ کرنا ہے۔ یہ ’’انفاق‘‘ کی متضاد حالت ہے جو ارتکاز اور اکتناز کی تمام صورتوں کو محیط ہے اور ’’استغناء‘‘ سے یہاں مراد

(۱) اللیل، ۹۲:۸

معاشرے کے حاجتمند طبقے کی معاشی ضروریات سے صرفِ نظر کرنا ہے۔ اس میں ایک خاص نقطہ نظر کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر معاشرے میں کچھ لوگ معاشی تعطل کا شکار ہوں اور ان کی یہ حاجتمندی اور اضطراری حالت اُنہیں ضمیر فروشی، مصلحت کوشی اور عصمت فروشی تک مجبور کر رہی ہو تو یہ ان کی اپنی لا دینیت اور بے ضمیری ہے۔ اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں یا معاشرہ ہے۔ ان کے معاملے میں ہمارے اُوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ لوگ ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنی دینداری اور پارسائی کے تحفظ میں مصروف رہنا چاہتا ہیں۔ قرآن مجید ایسے نام نہاد دینداروں اور پارساؤں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ جو شخص اپنی ذات اور انفرادی نیکیوں کے گنبد میں محصور رہ کر معاشرے کے دیگر پریشان حال لوگوں کے معاشی تعطل کو رفع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا بلکہ انہیں اپنے حال پہ چھوڑ کر مستغنی اور بے نیاز رہنا چاہتا ہے تو وہ جان لے کہ اس کا یہ عمل نیکی اور دین کی تصدیق نہیں بلکہ تکذیب ہے اور جس نے نیکی اور دین کی تکذیب کی روش کو اختیار کیا تو وہ عذابِ الٰہی کا مستحق ٹھہرا کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰىo فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىo (۱)

’’اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایاo تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)o‘‘

ایسا رویہ اختیار کرنے والا شخص دائمی خسارہ میں رہتا ہے کیونکہ جس مال کو اس نے سنبھال کر رکھا اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا وہ مال آخرت میں اس کے کسی کام نہ آ سکے گا جہاں اس کو اس مال کی سخت ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس امر کی وضاحت کے ضمن میں قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰىo (۲)

(۱) اللیل، ۹۲: ۹، ۱۰

(۲) اللیل، ۹۲: ۱۱

’’اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا○‘‘

(۶) سورۃ الماعون اور حقیقتِ اِنفاق

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حقیقت میں ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہی تصدیق و تکذیبِ دین کا معیارِ امتیاز ہے۔ ’’سورۃ الماعون‘‘ کا پورا مضمون اِسی امر کی تائیدی شہادت فراہم کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ○ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ○ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ○[1]

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟○ تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)○ اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)○ پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے○ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)○ وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)○ اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتے○‘‘

آپ نے مذکورہ بالا سورت کا مضمون اوّل سے آخر تک ملاحظہ فرما لیا۔ اس میں ’’دین کے جھٹلانے والوں‘‘ کی اصل پہچان بیان کی گئی ہے۔ یوں تو بدقسمتی سے ہمارے

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۱-۷

معاشرے کے اکثر لوگ اور بالخصوص مذہبی لیڈر ایک دوسرے کو یا عام گنہگار مسلمانوں کو ''مکذِّب بالدین'' یعنی دین کو جھٹلانے والا اور دین سے کفر کرنے والا قرار دیتے ہی رہتے ہیں لیکن اس سورت کے ذریعے ''تکذیبِ دین'' کا قرآنی معیار بھی جان لیجئے کہ وہ کیا ہے؟

قرآن مجید سوالیہ انداز میں اپنی بات کا آغاز کر رہا ہے کہ ''کیا آپ نے دین کو جھٹلانے والا شخص دیکھا ہے؟ یا کیا آپ جانتے ہیں کہ دین کو جھٹلانے والے کون لوگ ہیں؟'' پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے۔ یہاں تصدیقِ دین اور تکذیبِ دین کے معیار کے طور پر کسی مسلک یا اعتقاد کی بات نہیں کی گئی، توحید اور شرک کے مسائل کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ عقائدِ صحیحہ تو ہر مسلمان کے لئے شرطِ اوّلین ہیں۔ یہاں بات ہو رہی ہے ان لوگوں کی جو مسلمان ہیں۔ عقیدۃً کافر یا ملحد و مشرک نہیں بلکہ نمازی بھی ہیں۔ قرآن مجید یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں اور دینِ حق کے نام نہاد علمبرداروں میں بھی ''دین کے جھٹلانے والے'' موجود ہیں اور وہ کون ہیں؟ ان کی علامات کے طور پر قرآن مجید نے بقیہ آیات بیان کی ہیں۔

فَذَالِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ○

یہاں یتیم کا لفظ بطور علامت (Symbol) استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد تمام خستہ حال لوگ ہیں۔ آیت میں بیان کردہ لوگ وہ ہیں جو معاشرے کے بے سہارا یتیموں سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور ہمدردی و بہی خواہی کی کوئی تڑپ ان کے دلوں میں موجود نہیں ہوتی۔ ''دھکے دینے'' کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے "Status" یعنی معاشرتی حیثیت کے برابر نہ سمجھتے ہوئے خود سے دُور رکھتے ہیں۔ ان سے لاتعلقی، بیگانگی اور کبر و نخوت کا سلوک کرتے ہیں بلکہ اُنہیں معاشرے پر بوجھ تصور کرتے ہیں۔ اس آیت کے ذریعے قرآن مجید نے ایک مخصوص ذہنیت کی نشاندہی کی ہے جو نام نہاد ''بڑے لوگوں'' میں فراوانی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○

ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ حاجتمندوں اور مسکینوں کی معاشی کفالت کرنے کے لئے نہ خود تیار ہوتے ہیں اور نہ اس کے لئے دوسروں کو تیار کرتے ہیں یعنی ان ضرورت مندوں کو معاشی تعطل سے نجات دلانے کے لئے ''اِنفاق فی المال'' نہیں کرتے۔ ''وَلَا يَحُضُّ'' میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ ان کی جدوجہد کا رُخ کبھی بھی یہ نہیں ہوتا کہ معاشرے کے اہلِ ثروت افراد کا روّیہ غریب اور بے سہارا لوگوں کی نسبت بدلا جائے۔ ''ترغیب دلانے'' سے مراد یہ ہے کہ اپنے قول و فعل اور سعی و کاوش سے دوسرے لوگوں کو اس امر کا قائل کیا جائے کہ ہمارے مال و دولت میں صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ معاشرے کے دیگر مستحق افراد کا بھی حق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[1]

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا○''

جس چیز کو قرآن مجید ایجابی اور وجوبی طور پر ''حق'' سے تعبیر کر رہا ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت اُسے غیر ضروری یا محض نفل و استحباب قرار دے کر اس کی اہمیت کم نہیں کر سکتی۔ ''حق'' اُسے کہتے ہیں جس کا ادا کیا جانا ہر صورت میں ضروری ہوتا ہے۔ اگر دینے والا رضا و رغبت سے کسی کا حق ادا نہ کرے تو حق دار اپنا حق جبراً بھی لے سکتا ہے۔ لیکن اس کی صورت بھی باضابطہ ہو گی، بے ضابطہ نہیں۔ حق تو بہرحال حق ہی ہوتا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے، ادا کرے یا نہ کرے، اس سے اس کی حقیقت متاثر نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی قانون کسی حق دار کو اس کے حق سے محروم گردان سکتا ہے۔ اگر کچھ لوگ اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کی بناء پر جائز طریقے سے اپنی ضروریات کے کفیل نہ ہو سکیں تو

(۱) الذّٰریٰت، ۵۱: ۱۹

ان کی معاشی کفالت کا انتظام ان کا معاشرتی حق ہے جو اہلِ ثروت کے ذمے فرض اور لازم ہے۔ اگر وہ اپنا فرض ادا کریں تو اس میں کسی کا کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ حق دار کو اس کا حق مہیا کیا جا رہا ہوگا۔ ہاں اگر ان کا معاشرتی مقام بلند کرنے کے لئے ان پر زائد از ضرورت کچھ خرچ کیا جائے تو یہ ''فعلِ احسان'' ہوگا جو انسان کو ''انسانِ مرتضٰی'' کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔

گویا جو لوگ نہ اپنے اندر ایسا داعیہ اور عمل رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی تحریک سے دوسروں کو خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ رویئے سے ہٹاتے ہیں بلکہ مسکینوں اور سفید پوش محتاجوں کو اسی مجبوری میں گرفتار دیکھ کر بے نیازی سے اپنا وقت گزار رہے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو دین کو جھٹلانے والے ہیں، خواہ وہ بزعم خویش کتنے ہی دین دار بنتے پھریں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○

یہاں قرآن مجید نے ''اَلْمُصَلِّیْنَ'' کی اصطلاح استعمال کر کے ایک اور عقدہ حل کر دیا۔ وہ یہ کہ تکذیبِ دین (یعنی دین کو جھٹلانے) کا فعل ظاہری عبادات کے التزام کے باوجود بھی ہوسکتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کچھ لوگ نماز وغیرہ کا اہتمام بھی کرتے ہوں لیکن اس کے باوجود ان کا طرزِ عمل دینِ حق کو جھٹلانے کے مترادف ہو۔ قرآن حکیم اس امر کی وضاحت بڑے زور دار الفاظ میں کر رہا ہے کہ تباہی اور ہلاکت یا عذابِ آخرت کے حق دار ہیں وہ لوگ جو نماز تو پڑھتے ہیں لیکن نماز کی رُوح ان کے عمل میں نہیں ہوتی یعنی روحِ نماز کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اگر اس جگہ ''هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ'' سے مراد بھولنا بایں معنی ہوتا کہ وہ نماز باقاعدگی سے نہیں پڑھتے یا نماز کو ترک کئے ہوئے ہیں تو ایسے لوگوں کو قرآن مجید کبھی بھی ''المُصلّین'' یعنی نمازی کی اصطلاح سے تعبیر نہ کرتا۔ قرآن حکیم کا ان لوگوں کے حق میں ''نمازی'' کا لقب استعمال کرنا اس حقیقت کو صراحت

کے ساتھ واضح کر رہا ہے کہ وہ ''فرض صلوٰۃ'' تو ادا کرتے ہیں کیونکہ تارکِ صلوٰۃ کو قرآن مجید ''مصلّی'' نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بالالتزام یعنی باقاعدگی سے نماز نہ پڑھتا ہو تو اسے بھی قرآن ''المصلّین'' (نمازیوں) کے زمرے میں شامل نہیں کر سکتا اور پھر ایسے لوگوں کو ''سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوة'' (نماز کو بھولے ہوئے) بھی نہیں کہا جا سکتا۔

''سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوة'' کی اصطلاح تقاضا کرتی ہے کہ نماز کو کلیتًا فراموش کر دیا گیا ہو۔

اور ''المُصلّین'' کی اصطلاح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ لوگ نماز پڑھتے ہوں۔

لہٰذا ''المُصلّین'' اور ''سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوة'' دونوں کا اکٹھا ہونا سوائے اس کے اور کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا کہ ''وہ ایسے لوگ ہیں جو نماز تو پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود نماز کو فراموش کئے ہوئے ہیں'' اس سے یہ ثابت ہوا کہ نماز پڑھ کر بھی نماز کو بھلایا جا سکتا ہے۔ یہ اس طرح ممکن ہے کہ نماز تو پڑھی جائے لیکن نماز کی اصل روح کو نظر انداز کر دیا جائے۔ الفاظِ قرآنی بھی اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○(۱)

''پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے○ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)○''

اس کا مقصد یہ ہے کہ ''وہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن نماز ان سے جس چیز اور طرزِ عمل کا تقاضا کرتی ہے اس کو کلیتًا پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں۔'' اسی کو روحِ صلوٰۃ کا فراموش کرنا کہتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی نمازیں بارگاہِ ایزدی میں محض ریاکاری اور دکھلاوا قرار پا گئی ہیں۔

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۴، ۵

(۷) معاشی بحالی کی جدوجہد ہی روحِ نماز ہے

سوال یہ ہے کہ آخر وہ روحِ نماز کیا ہے؟ جسے فراموش کر کے پڑھی جانے والی تمام نمازیں خدا کے نزدیک ریاکاری بن جاتی ہیں اور بجائے بھلائی یا ثواب کے آخرت میں اذیت ناک عذاب یا تباہی و بربادی کا باعث بن جاتی ہیں؟

اس رُوحِ نماز کو فراموش کرنے کا ذکر قرآن مجید اسی سورت میں پہلے ہی واضح کر چکا ہے۔ ”فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ○ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ○“ یعنی اگر لوگ نماز پڑھ کر یہ سمجھیں کہ ہم نے اپنا فرضِ بندگی اور تقاضائے دین پورا کر دیا درآنحالیکہ وہ اپنے معاشرے کے ضرورت مندوں اور بے سہارا لوگوں کی معاشی پریشانیوں کی کوئی پرواہ نہ کریں اور نہ اُنہیں ابتلاء کی اذیتوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔ قرآن حکیم ان لوگوں کو للکار کر کہہ رہا ہے کہ ”اس طرح فریضۂ بندگی اور تقاضائے دین پورا نہیں ہوسکتا۔ ایسا طرزِ عمل خدا کے نزدیک ”دین کی تکذیب“ ہے، ایسی نمازیں دکھلاوا اور ریاکاری ہیں اور یہ ریاکارانہ عبادات جنت کا نہیں دوزخ کا باعث ہوں گی۔“

خدا کی ذات تمہاری نمازوں اور دیگر عبادات کی محتاج نہیں اور نہ یہ عبادات مقصود بالذّات ہیں۔ نماز ہو یا کوئی اور عبادت وہ اسی لئے فرض کی جاتی ہے کہ وہ کسی اور اعلیٰ مقصد اور نصب العین کے حصول کا ذریعہ بنے، اگر مقصد نظر انداز ہو جائے اور ذریعہ خود مقصود و مطلوب قرار پا جائے تو اس ذریعے کی اپنی افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے دولت اِنسانی زندگی میں حصولِ آسائش کا ذریعہ ہے۔ اگر مقصدِ آسائش پیشِ نظر نہ رہے اور دولت خود مقصد بن جائے تو اسے ”بخل“ کہیں گے اور ایسی دولت بخیل کے لئے کسی افادیت و منفعت کا باعث نہ رہے گی بلکہ اس شخص کے لئے ایسی دولت کا وجود بھی عذاب بن جائے گا۔ اسی طرح نماز اور دیگر عبادات کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے اِنسانی طرزِ عمل میں انقلاب آئے۔ انسان جس رب کے سامنے سربسجود ہو کر اس کی خالقیت و مالکیت اور اپنی غلامی و بندگی کا اعتراف کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ اب اس کی مخلوق کی خدمت

کرے اور اسی کے حکم اور رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں کو آسودگی اور آسائش مہیا کرنے کے لئے خود کو وقف کر دے حتیٰ کہ اپنے وسائلِ دولت بھی سب سے پہلے خلقِ خدا کی معاشی ضروریات پر خرچ کرے۔ دردمندی اور نفع بخشی کے اسی طرزِ عمل کا نام ''عین ایمان اور روحِ نماز'' ہے جس کا ذکر ''نیکی'' کی تعریف میں قرآن مجید کے حوالے سے پہلے ہی کیا جا چکا ہے:

وَ لٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ..... وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ.(۱)

''بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے ..... اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔''

گویا بندگی یہ ہے کہ انسان کس حد تک اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں سے عملی ہمدردی اور بہی خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر دل میں انسانیت کا یہ درد اور جذبۂ خدمت نہ ہو بلکہ اس کے برعکس زندگی کا طرزِ عمل خود غرضانہ، مفاد پرستانہ اور بہیمانہ ہو تو کوئی عبادت، عبادت نہیں اور نہ کوئی نماز، نماز ہے۔ یہ عمل دکھلاوا اور ریاکاری ہے، جو انسان کو خدا کے قریب کرنے کی بجائے جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔

نماز کی روح اور دینِ نبوی ﷺ کی اصل یہی ہے کہ محبتِ الٰہی میں بندگانِ خدا کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ معاشرے کے بے سہارا اور محتاج لوگوں کی خدمت و کفالت درحقیقت رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی کا باعث ہے اور یہی مقصودِ صلوٰۃ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا عائشة! لا تردي المسكين ولو بشق تمرة يا عائشة! أحبي

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

المساكين وقربيهم فإن الله يقربك يوم القيامة.(۱)

’’اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو۔ مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کیا کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔‘‘

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: كالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر.(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱
۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۱۶۷، رقم: ۱۴۵۳
۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵
۵۔ مناوي، فيض القدير، ۲: ۱۵۲
۶۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۲۰۷، رقم: ۵۳۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الساعي على الأرملة، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۶۱
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان على الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۹۲۸۲
۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب من خلط في نذره طاعة بمعصية، ۲: ۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۱، رقم: ۸۷۱۷
۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۱۰۰، رقم: ۳۰۶

’’بیوہ عورتوں اور محتاجوں کی خدمت و اعانت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے اور اس نیکو کار کے برابر ہے جو (عمر بھر) ساری رات عبادت کرے اور دن کو روزے رکھے۔‘‘

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أنا و كافل اليتيم في الجنة هكذا وأشار بالسبابة والوسطى.(۱)

’’میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا۔‘‘

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر سورۃ الماعون کی تعلیم کو اس طرح دہرایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○(۲)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود ایثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں ○‘‘

اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول یہ تھا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الطلاق، باب اللعان وقول الله تعالى والذين يرمون أزواجهم، ۵: ۲۰۳۲، رقم: ۴۹۹۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان على الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۷، رقم: ۲۹۸۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۵، رقم: ۸۸۶۸

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۰۷، رقم: ۴۶۰

۵۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۲

(۲) الدهر، ۷۶: ۸

كان ابن عمر لا يأكل حتى يؤتى بمسكين يأكل معه.[1]

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مند مل کر کھانا نہ کھاتا آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

(۸) غرباء کے معاشی حقوق کی ادائیگی اَصل دین داری ہے

جس طرح اوپر بیان ہو چکا ہے کہ روحِ نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا، ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہے اور یہی عمل اصلِ دین ہے۔

۱۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ○ فَکُّ رَقَبَةٍ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ○ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ○ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ○ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ○ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ○ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ○[2]

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہے○ وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے○ یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)○ قرابت دار یتیم کو○ یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

(۲) البلد، ۹۰: ۱۲۔۱۹

نشیبن (اور بے گھر) ہےo پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیںo یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیںo اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیںo‘‘

مذکورہ بالا آیات نے ’’العقبۃ‘‘ (دینِ حق کی پیروی کا وہ اصل راستہ جو شہادت گہِ الفت ہے) کے عنوان سے جس عمل کا ذکر کیا ہے وہ صرف اور صرف ضرورت مندوں اور محتاجوں کے معاشی ابتلاء و تعطل کو دور کر کے انہیں زندگی میں آسودگی و آسائش مہیا کرنا ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی جدوجہد جاری رکھ سکیں۔ بالآخر اسی عمل کو شرطِ ایمان قرار دے کر صبر و تحمل اور باہمی مودت و رحمت کی تلقین کی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو ’’اصل دیندار اور جنتی‘‘ قرار دیا گیا ہے جبکہ اس طرزِ عمل اور ہدایاتِ ربّانی سے انکار و انحراف کرنے والوں کو بے دین اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح قوم ثمود کی تباہی و ہلاکت کو بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید ’’سورۃ الماعون‘‘ کے مضمون کو پھر دہراتا ہے جس سے بے دینی کے قرآنی تصور کا اندازہ ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo(۱)

’’یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۷۔ ۲۰

ہو○ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)○ اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو○‘‘

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قومِ ثمود کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ○

سورۃ الماعون میں ’’دین کو جھٹلانے والوں‘‘ کی آخری علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی دسیسہ کاری کا یہ عالم ہے کہ وہ گھر کے برتنے کی معمولی چیزیں بھی اپنی ذات تک روک رکھتے ہیں۔ ان سے استفادہ و استعمال میں دوسروں کو شریک نہیں ہونے دیتے۔ یہاں عام نفع بخشی اور فیض رسانی کا تصور اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ قرآن مجید نے انسانی بہبود اور مفادِ عامہ کا وہ دینی ضابطہ مہیا کیا ہے کہ اشتراکیت سمیت دنیا کا کوئی اور نظامِ معیشت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اشتراکیت تو صرف ’’ذرائع پیداوار‘‘ کو مشترکہ عوامی افادیت کی چیز بنانا چاہتی ہے اور جہاں تک ذاتی استعمال کی چیزوں یعنی اشیائے صرف کا تعلق ہے، ان میں ہر مالک کو مکمل آزادی اور غیر مشروط و غیر محدود تصرف کا حق دیتی ہے لیکن اسلام تصورِ انفاق کی صورت میں دین کا جو وجوبی ضابطہ عطا کرتا ہے۔ اس میں اشیائے صرف یعنی گھر کے استعمال کی چیزوں میں بھی دوسروں کو حقِ انتفاع دیتا ہے۔ کوئی مالک ان اشیاء کی ملکیت بھی اس طرح غیر محدود اور غیر مشروط نہیں رکھ سکتا کہ دوسروں کی ضرورت کے باوجود انہیں ان سے محروم رکھا جا سکے بلکہ ایسا طرزِ عمل قرآن مجید کے واضح اعلان کے مطابق تکذیبِ دین ہے جسے سادہ لفظوں میں اسلام کے ساتھ کفر کہا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل وشواہد کے مطابق اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل باقی نہیں رہنا چاہیے کہ ''انفاق فی المال'' ہی حقیقت میں تصدیقِ دین اور اس کا ترک تکذیبِ دین ہے۔ لہٰذا انفاق فی المال ہی رضائے الٰہی کے لئے عملی اساس کا درجہ رکھتی ہے۔

(۹) عملِ اِنفاق ہی رضائے اِلٰہی کی حقیقی اَساس ہے

اس اٹل اور نا قابلِ تردید حقیقت کو قرآن مجید نے ایک شاندار تمثیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝(۱)

''اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و اطاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر اسے زور دار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۝''

اس آیت نے موضوعِ متذکرہ کی صحت و حقانیت پر مزید مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ مدعائے آیت یہ ہے کہ جس طرح مرطوب آب و ہوا کے کسی علاقے میں اونچائی پر واقع باغ، بارش ہو یا نہ ہو، ہر حال میں پھل دیتا ہے اسی طرح ''انفاق فی المال'' تھوڑا ہو یا زیادہ ہر صورت میں رضائے الٰہی کا پھل لاتا ہے۔ رضائے الٰہی کے حصول کی حتمی ضمانت جس انداز سے ''عملِ انفاق'' کے نتیجے میں بیان کی گئی ہے کسی اور عمل کے نتیجے میں نہیں کی گئی۔ اس تمثیل کے ذریعے دراصل یہ واضح کیا گیا ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص رضائے

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۵

الٰہی کی خاطر ''انفاق'' کرے اور اسے بالیقین رضائے الٰہیت کا ثمر نصیب نہ ہو۔ گویا ''انفاق فی المال'' اور ''رضائے الٰہی'' دونوں لازم و ملزوم ہیں یا ''شرط'' اور ''صلہ'' ہیں۔ اگر مطلوبہ شرط پوری کی جائے تو صلہ بہرصورت میسر آ کر رہے گا۔

قرآنِ مجید نے اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں بیان کیا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ط وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ○[1]

''اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعثِ قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے○ اور مہاجرین اور ان کے مددگار (انصار) میں سے سبقت لے جانے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے اور درجۂ احسان کے ساتھ اُن کی پیروی کرنے والے، اللہ ان (سب) سے راضی ہو گیا اور وہ (سب) اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی زبردست کامیابی ہے○''

(۱) التوبة، ۹: ۹۹، ۱۰۰

پہلی آیت نے ''انفاق فی المال'' کو ایجابی طور پر قربِ الٰہی اور قرب و رضائے رسول ﷺ کا باعث قرار دیا ہے اور دوسری آیت نے اس عمل کو احسان کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے رضائے الٰہی کی حقیقی اساس قرار دیا ہے۔

ماحصل

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حیاتِ انسانی کا اصل نصب العین اور مقصدِ وحید رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس کے لئے تحریک ''تزکیۂ نفس کی آرزو'' کی صورت میں شروع ہوتی ہے اور اس کا حصول ''فعلِ احسان'' سے ہوتا ہے لیکن فعلِ احسان کی واحد عملی اساس اور حقیقی صورت ''انفاق فی المال'' ہے، اس کے بغیر نہ ''احسان'' کا کوئی مفہوم باقی رہتا ہے اور نہ حصولِ نصب العین کی کوئی سبیل۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ''انفاق فی المال'' کی اہمیت و مقام کو سمجھتے ہوئے اس کو اپنی روزمرہ زندگی کے امور کا حصہ بنائیں۔

(۱۰) اِنفاق فی المال کے معاشی ثمرات

انفاق فی المال جہاں قربِ الٰہی، جذبۂ ایثار، حصولِ تقویٰ، علامتِ ایمان، طہارت و پاکیزگی، خیر و برکت، عمر میں اضافہ اور مصائب سے نجات دلاتا ہے وہاں اس کے معاشی ثمرات بھی بے حساب ہیں۔ ذیل میں ہم انفاق فی المال کی معاشی اہمیت و ثمرات کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ امیر اور غریب کے درمیان خلیج کم ہو جاتی ہے۔

Decreasing the gap between Haves and Have-nots

۲۔ امیر اور غریب کے درمیان کشمکش، نفرت، عناد اور فساد کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

Removal of the rift between the Rich and the Poor

۳۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی خاطر غرباء اور مساکین وغیرہ پر خرچ کرنے

والا فضول خرچی نہیں کرتا۔

Discouraging prodigality

۴۔ انفاق فی المال کے ذریعے تقسیمِ دولت میں توازن اور نظم پیدا ہوتا ہے۔

Balance and Discipline in the Distribution of Wealth

۵۔ احتکار اور اکتناز کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

Discouraging Accumulation and Hoarding

۶۔ ملک سے بے روزگاری (Unemployment) دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۷۔ حاجت مندوں کی کفالت کا بندوبست ہو جاتا ہے۔

۸۔ پیشہ ور گداگری، دوسروں پر بوجھ بننا اور معاشی جدوجہد سے اجتناب کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

۹۔ معیشت میں دولت کی گردش (Circulation of Wealth) سے اشیاء اور خدمات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور تجارت کے فروغ کی وجہ سے معاشی ترقی (Economic Development) کا حصول آسان اور یقینی ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ جب نادار، ضرورت مند اور معاشی استحصال کا شکار افراد کو روزگار ملتا ہے تو نہ صرف معاشی مثبت نتائج سامنے آتے ہیں بلکہ معاشرہ سے بہت سی معاشرتی برائیاں (چوری، ڈاکہ زنی، رہزنی، نفرت، حسد، قتل و غارت وغیرہ) بھی ختم ہو جاتی ہیں اور ملک معاشی ترقی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **آلوسی**، محمود بن عبد اللہ حسینی (۱۲۱۷۔۱۲۷۰ھ/۱۸۰۲۔۱۸۵۴ء)۔ **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۔ **ابن اثیر**، ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **النهایه فی غریب الحدیث والاثر**۔ قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

۴۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۵۔ **اقبال**، ڈاکٹر علامہ محمد (۱۹۳۸ء)۔ **کلیات (فارسی)**۔ لاہور پاکستان: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء۔

۶۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۷۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۸۔ بزار، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ۔

۹۔ بزار، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم۔

۱۰۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۱۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۲۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۔ جرجانی، علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ التعریفات۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۱۴۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۵۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۱۶۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۱۷۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلی**۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدہ۔

۱۸۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۹۔ **حسام الدین ہندی**، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال فی سنن الأقوال و الأفعال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۲۰۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۱۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

۲۲۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۳۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۲۴۔ **راغب اصفہانی**، ابو قاسم حسین بن محمد (م ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء)۔ **المفردات الفاظ القرآن**۔ دمشق، شام: دار القلم۔

۲۵۔ **زمخشری**، امام جار اللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۲۷۔۵۳۸ھ)۔ **الکشاف**

عن حقائق غوامض التنزيل۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۲۶۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ السنن۔ بھارت: الدار السّلفیہ، ۱۹۸۲ء۔

۲۷۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ السنن۔ ریاض، سعودی عرب: دار العصیمی، ۱۴۱۴ھ۔

۲۸۔ **السید سابق** (۱۳۳۳۔۱۴۲۰ھ)۔ فقه السنه۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۲۹۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ)۔ حجة الله البالغة۔ لاہور، پاکستان: المکتبۃ السّلفیہ۔

۳۰۔ **شعرانی**، عبد الوهاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ (۸۹۸۔۹۷۳ھ/ ۱۴۹۳۔ ۱۵۶۵ء)۔ کشف الغمه عن جمیع الأمه۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۱۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۳۲۔ **ابن أبی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔ ۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۳۳۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الأوسط۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۴۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء۔

۳۵۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۳۶۔ **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔ ۱۳۰۶ھ)۔ **رد المحتار علی در المختار**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۳۷۔ **ابو عبید**، قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ **کتاب الأموال**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۳۸۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفا ومزیل الألباس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۹۔ **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۴۰۔ **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۴۱۔ **قرطبی**، ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۴۲۔ **قضاعی**، ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم (م ۴۵۴ھ/ ۱۰۶۲ء)۔ **مسند الشہاب**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۴۳۔ **الکتانی**، محمد عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد الحسنی الادریسی (۱۳۰۵۔۱۳۸۲ھ/ ۱۸۸۸۔۱۹۶۲ء)۔ **نظام الحکومة النبوية المسمى التراتيب الإدارية**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۴۴۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایہ والنہایہ**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۵۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۶۔ **مسلم**، ابو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن وردقشیری نیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: داراحیاء التراث العربی۔

۴۷۔ **مقدسی**، محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمٰن بن اسماعیل بن منصوری حنبلی (۵۶۹۔۶۴۳ھ/۱۱۷۳۔۱۲۴۵ء)۔ **الأحاديث المختاره**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۴۸۔ **مناوی**، عبد الرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔ ۱۰۳۱ھ/۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۴۹۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن (۵۸۱۔ ۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب والترھیب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۵۰۔ **ابن منظور**، محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی (۶۳۰۔ ۷۱۱ھ/۱۲۳۲۔۱۳۱۱ء)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دارصادر۔

۵۱۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۵۲۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۵۳۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۵۴۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح صحیح مسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء۔

۵۵۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث۔

۵۶۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۵۷۔ **ابو یعلیٰ**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المسند۔ دمشق، شام: دار المامون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔